اسلام: تہذیبی تصادم اور مکالمہ

مجتبیٰ فاروق ○

نومبر ۱۹۸۹ء میں دیوارِ برلن کے گرنے کے ساتھ ہی بین الاقوامی سیاست میں سرد جنگ بھی اختتام کو پہنچی۔ اس کے بعد مغربی سیاست دانوں، پالیسی سازوں اور دانش وروں نے آیندہ اپنی خارجہ پالیسی کے لیے ایک نئی حکمت عملی وضع کی۔ اس تعلّق سے سب سے پہلے ایک امریکی مفکر فرانسس فوکویاما نے ۱۹۸۹ء میں ایک امریکی رسالے *The National Interest* میں The End of History (انتہاے تاریخ) کے نام سے ایک مضمون لکھا کہ مغربی تہذیب انتہائی عروج پر ہے اور یہ ساری دنیا پر چھا جائے گی۔ اسی مضمون میں فوکویاما نے Liberal Democracy کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہی انسان کی نظریاتی ترقی کی آخری فتح ہے اور یہ کہ دنیا میں رائج نظریات کے درمیان کش مکش ختم ہوگئی ہے اور مغربی آزاد جمہوریت کے سوا اب دنیا میں کوئی نیا نظریہ یا نظام آنے والا نہیں ہے۔[1]

اس کے بعد برنارڈ لیوس نے اس نظریے کو نئے قالب میں پیش کرتے ہوئے Return of Islam کے نام سے مقالہ لکھا۔ پھر اس مقالے کو نئی شکل دے کر ماہ نامہ *Atlantic* میں The Roots of Muslim Rage (مسلم غم وغصہ کی جڑیں) کے زیرعنوان زہریلی تحریر بنا کر تہذیبی تصادم کا نظریہ پیش کیا:

> دراصل ہم ایک ایسی تحریک اور صورت حال کا سامنا کر رہے ہیں جو حکومتوں، مسائل اور منصوبوں سے حد درجہ بڑھ کر ہے۔ یہ صورت حال ایک تہذیبی تصادم سے کم نہیں ہے۔

○ ریسرچ اسکالر، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ

یہ ہمارے یہودی عیسائی ورثے ،ہمارے سیکولر اور ان دونوں کی ساری دنیا میں اشاعت کے قابل ردعمل ہے۔[۲]

پرسٹن یونی ورسٹی کے پروفیسر برنارڈ لیوس کا شمار اسلام اور مشرق وسطیٰ پر مغرب کے معروف دانش وروں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کھلے جذبات کا اظہار کرنے سے احتراز کرتے ہیں، لیکن اس ہاتھ کی صفائی کے باوجود متعصّبانہ سوچ اور بغض چھپا ہوا ہوتا ہے۔ تہذیبوں کے تصادم کی اصطلاح اور نظریے کے اصل خالق یہی ہیں۔[۳]

برنارڈ لیوس کے بعد جس مغربی مفکر اور پالیسی ساز نے تہذیبی تصادم کے نظریے کو انتہائی منظّم انداز سے آگے بڑھایا، وہ ہارورڈ یونی ورسٹی کے پروفیسر سیموئیل پی ہن ٹنگٹن ہیں، جو نیشنل سیکورٹی کونسل میں منصوبہ بندی کے بھی ڈائرکٹر رہ چکے تھے۔

انھوں نے فرانسس فوکویاما کے نظریاتی کش مکش کے خاتمے کے نظریے کو مسترد کرتے ہوئے یہ پیش گوئی کی کہ: ''آیندہ دنیا میں تصادم نظریات کی بنیاد پر نہیں بلکہ تہذیبوں کی بنیاد پر ہوگا۔ مغربی تہذیب جو اس وقت غالب تہذیب کی صورت اختیار کر چکی ہے پوری دنیا کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہتی ہے۔ اس کا اسلامی تہذیب سے ہر حال میں تصادم ہونا ہے بلکہ شروع ہو چکا ہے''۔ ہن ٹنگٹن نے ۱۹۹۳ء کے فارن افیئرز میں The Clash of Civilizations کے عنوان سے مضمون لکھا، جسے ۱۹۹۶ء میں پھیلا کر The Clash of Civilizations and Remaking of the New World Order (تہذیبوں کا تصادم اور نئے عالمی نظام کی تشکیل) کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا، اور پھر اس پر دنیا بھر میں بڑے پیمانے پر مباحثے کا آغاز ہوا۔ نائن الیون کے بعد اس مباحثے نے نہ صرف طول پکڑا بلکہ شدت بھی اختیار کر لی۔

مغربی مفکرین اور پالیسی سازوں نے اس مفروضے کو منطقی انداز میں پیش کر کے کہا کہ تہذیبوں (بالخصوص اسلامی اور مغربی تہذیب) کے مابین تصادم اور ٹکراؤ لازم بلکہ ناگزیر بھی ہے۔ ہن ٹنگٹن کے مطابق آنے والے زمانے میں تصادم ٹکراؤ اور جنگ، سیاست ،اقتصادیات اور سرحدوں پر ٹکراؤ کی بنیاد پر نہیں بلکہ تہذیبوں کی بنیاد پر ہوگی:

اس دنیا میں تصادم کا بنیادی سبب نہ تو مکمل طور پر نظریاتی ہوگا، اور نہ مکمل طور پر معاشی،

بلکہ نوع انسان کو تقسیم کرنے والے بنیادی اسباب ثقافتی ہوں گے۔ عالمی معاملات میں قومی ریاستیں اہم کردار ادا کرتی رہیں گی، لیکن عالمی اہمیّت کے بڑے تصادم ان ریاستوں اور گروہوں کے درمیان ہوں گے، جو مختلف تہذیبوں سے وابستگی کو اہمیّت دیتے ہیں۔[۴]

مغرب اپنی تہذیب کی عالم گیریت پر یقین رکھتا ہے اور اس کا تصور یہ ہے کہ مغرب کی تہذیبی بالاتری اگرچہ رُو بہ زوال ہے، لیکن ہن ٹنگٹن کے بقول: مغرب اپنی برتری (pre-eminent position) کو قائم رکھنے کے لیے کوشش کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ وہ اپنے مفادات کو عالمی برادری کے مفادات کے طور پر پیش کر کے ان مفادات کی حفاظت کر رہا ہے۔[۵]

تہذیبوں کی تقسیم

ماہرین نے تہذیبوں کا گہرائی سے مطالعہ پیش کیا ہے۔ مشہور مؤرخ ٹائن بی نے پہلے ۲۱ اور بعد میں دنیا کو ۲۳ تہذیبوں میں تقسیم کیا۔ اسپنگر نے دنیا کی آٹھ بڑی ثقافتوں کی نشان دہی کی، میک نیل نے تہذیبوں کی تعداد ۹ بتائی، سلکیو نے ۱۲ تہذیبوں کی نشان دہی کی ہے[۶]، جب کہ خود ہن ٹنگٹن نے دنیا کی آٹھ بڑی تہذیبوں کا تذکرہ کیا اور کہا ہے کہ مستقبل میں تصادم انھی تہذیبوں کے درمیان ہوگا: ۱-چینی (کنفیوشس) ۲- جاپانی ۳- ہندو ۴- اسلامی ۵- قدامت پرست عیسائی ۶- لاطینی ۷- افریقی ۸- مغربی تہذیب۔

جنگ جو سیاسی مفکر، ہن ٹنگٹن نے تہذیبی تصادم کے اس دور میں تین تہذیبوں کو اہم قرار دیا ہے: ۱- مغربی تہذیب ۲- چینی تہذیب ۳- اسلامی تہذیب۔ ہن ٹنگٹن کے مطابق پانچ تہذیبوں کا ایک دوسرے کے ساتھ یا مغرب کے ساتھ جزوی طور پر اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن یہ اختلاف تصادم کی صورت اختیار نہیں کرے گا۔

تہذیبی تصادم کے عوامل

ہن ٹنگٹن کے مطابق اسلام اور مغرب کے درمیان اختلاف اور باہمی تنازعے کو روز بہ روز بڑھاوا مل رہا ہے، جن میں پانچ عوامل کو مرکزیت حاصل ہے:

(۱) مسلم آبادی میں اضافے نے بے روز گاری اور بد دل اور مایوس نوجوانوں کی ایک بڑی

تعداد کو جنم دیا ہے جو اسلامی تحریکوں میں داخل ہو جاتے اور مغرب کی طرف نقل مکانی کرتے ہیں۔

(۲) اسلامی نشاتِ ثانیہ نے مسلمانوں کو اپنی تہذیب کی امتیازی خصوصیات اور مغربی اقدار کے خلاف نیا اعتماد عطا کیا ہے۔

(۳) مغرب کا اپنی قدروں اور اپنے اداروں کو عالم گیر بنانے اور اپنی خوبی اور اقتصادی برتری قائم کرنے اور عالم اسلام میں موجود اختلافات میں مداخلت کی مسلسل کوشش مسلمانوں میں شدید ناراضی پیدا کرتی ہے۔

(۴) اشتراکیت کے انہدام نے مغرب اور اسلام کے ایک مشترکہ دشمن کو منظر سے ہٹایا، مگر ان دونوں کو ایک دوسرے کے لیے ایک بڑے متوقع خطرے کی صورت میں لاکھڑا کیا ہے۔

(۵) اسلام اور مغرب کے درمیان بڑھتے ہوئے تعلقات ان کے اندر یہ احساس ابھارتے ہیں کہ ان کی شناخت کیا ہے اور وہ ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہیں۔[7]

ہن ٹنگٹن کے مطابق تہذیبوں کا تصادم انفرادی اور اجتماعی سطحوں پر واقع ہوتا ہے۔ انفرادی سطح پر تصادم، تہذیبوں کے درمیان فوجی ٹکراؤ اور ایک دوسرے کے علاقے پر قبضہ جمانے کے لیے ہوتا ہے، جب کہ اجتماعی سطح پر مختلف تہذیبوں سے تعلّق رکھنے والی حکومتیں علاقوں میں اپنی فوجی و سیاسی برتری کے لیے ایک دوسرے سے مقابلہ کرتی ہیں۔ یہ اپنی اپنی سیاسی اور مذہبی اقدار کے فروغ کے لیے ایک دوسرے پر برتری لینے کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔[8]

اسلام اور مغرب کے درمیان کش مکش

ہن ٹنگٹن کے نزدیک، اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم پچھلے ۱۳۰۰ سال سے جاری ہے۔ اسلام کے آغاز کے بعد عربوں نے مغرب پر چڑھائی کی۔ اس کے بعد صلیبیوں نے عیسائی حکومت قائم کرنے کی کوششیں کیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں عثمانی حکومت بھی زوال پذیر ہوگئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے برطانیہ، فرانس اور اٹلی کی حکومتیں قائم ہوگئیں اور شمالی افریقہ کے علاوہ، مشرق وسطیٰ پر مغرب کا اقتدار قائم ہوا۔[9]

اسلام اور عیسائیت، مسیحی اور مغربی دونوں کے درمیان تعلقات اکثر ہنگامہ خیز رہے ہیں۔ یہ ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہے ہیں۔ آزاد جمہوریت اور مارکسی لنین ازم کے درمیان

انیسویں صدی کا تنازع اسلام اور عیسائیت کے درمیان مسلسل اور گہرے مخاصمانہ تعلقات کے مقابلے میں ایک عارضی اور سطحی مظہر ہے۔[۱۰] ہن ٹنگٹن کو معلوم تھا کہ مغرب، اسلام کے خلاف سیاسی پروپیگنڈے اور سیاسی سازشوں سے زیادہ دیر تک عالم اسلام میں اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا اور نہ فوجی اور اقتصادی بنیادوں پر باقی دنیا کو اپنے پنجۂ استبداد میں رکھ سکتا ہے۔ اسی لیے اس نے اسلام اور اس کی تہذیب کو مغرب کے لیے خطرے کے طور پر پیش کیا:

> مغرب کا بنیادی مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں ہے، بلکہ یہ اسلام ہے جو ایک مختلف تہذیب ہے جس کے ماننے والے لوگ اپنی ثقافت کی برتری کے قائل اور اپنی طاقت کی کم تری پر پریشان ہیں۔[۱۱]

ہن ٹنگٹن مذہبی عالم گیریت، بالخصوص اسلامی عالم گیریت کا اطلاق اندازہ لگاتا ہے۔ مراد ہوف مین کے بقول: ہن ٹنگٹن غلط ہوسکتا ہے، لیکن وہ احمق ہرگز نہیں ہے۔ اسلامی بنیاد پرستی، دہشت گردی، انتہا پسندی اور سیاسی اسلام جیسے الزامات لگانے میں مغرب کا بنیادی ہدف اسلام ہے۔ اور اس نے اس کے لیے بے شمار ذرائع کو استعمال میں لاکر رائے عامہ کو ہموار کیا، تاکہ پوری دنیا اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صف آرا ہو جائے۔ مغرب کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ مغربی فکر اور تہذیب کا اگر کسی تہذیب میں مقابلہ کرنے کی صلاحیت اور طاقت ہے تو وہ صرف اسلامی تہذیب ہے۔ اسلامی تہذیب میں متبادل پیش کرنے کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے، جو ان کے مطابق اگرچہ فی الوقت ایسا نہیں ہو رہا ہے لیکن مستقبل میں ایسا ضرور ہوگا۔ اسی لیے ان کے صحافی، مصنفین، ادبا، مفکرین، پالیسی ساز، اداکار اور سیاست داں اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ The Red menace is gone, but here is Islam[۱۲] (سرخ خطرے کا خاتمہ ہوگیا، لیکن اب اسلام ہے)۔

اسی لیے مغربی ماہرین، اسلامی تحریکات اور احیائے اسلام کو مغرب کے لیے خطرے کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اسلام کو اپنا اصل دشمن قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے اسلام کو شکست دینا اپنا ہدف قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک مغربی انتہا پسند ڈینیل پایپس [امریکی تھنک ٹینک Middle East Forum کے صدر] نے یروشلم پوسٹ میں The Enemy has a Name کے عنوان سے مضمون میں لکھا ہے: ''اصل میں یہ دشمن ایک واضح اور جامع نام رکھتا ہے اور وہ ہے

'اسلام ازم'۔ اسلام کے تخیلاتی پہلو کا انقلابی تصور، اسلام پرست آمرانہ نظریہ کہ جو بھرپور مالی مدد سے اسلامی قوانین (شریعہ) کو عالمی اسلامی ضابطے کے طور پر نافذ کرنے کا خواب ہے''۔[13]

وہ ایک انٹرویو میں اس بات کا بھی برملا اظہار کرتا ہے:

میں کئی عشروں سے یہ بات کہتا آیا ہوں کہ 'ریڈیکل اسلام' مسئلہ بنا ہوا ہے اور 'جدید اسلام' ہی اس مسئلے کا حل ہے۔[14]

اس حوالے سے ایڈورڈ سعید کا مشاہدہ اس طرح ہے:

یورپ اور امریکا کے عام لوگوں کے لیے آج اسلام انتہائی ناگوار خبر کا عنوان بنا ہوا ہے۔ وہاں کا میڈیا، حکومت، پالیسی ساز اور محققین یہ تسلیم کیے بیٹھے ہیں کہ اسلام، مغربی تہذیب کے لیے خطرہ ہے۔[15]

یہ سلسلہ بیسویں صدی کے آٹھویں عشرے سے مسلسل آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ پہلے اسلام کو خطرے کے طور پر پیش کرنا اور اس کے بعد تہذیبی تصادم کے نظریے کو وجود میں لانا مغرب کی اہم کارستانیاں ہیں۔[16] امریکی پالیسی ساز ادارے رینڈ کارپوریشن نے ۲۰۰۴ء میں مسلمانانِ عالم پر ایک مفصل رپورٹ تیار کی۔ جس کا عنوان Civil Democratic Islam: partners resources and strategies ہے۔ اس رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ امریکا اور مسلمان ایک دوسرے کے حریف ہیں، جس کی بنیادی وجہ مسلمانوں کا دینی رجحان ہے۔[17] مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی سے ہن ٹنگٹن اور دیگر مغربی مفکرین کو زبردست تشویش لاحق ہے۔ ہن ٹنگٹن کے بقول: مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی مغربی اور یورپی ممالک کے لیے خطرہ بنتی جا رہی ہے۔ دنیا کے دو بڑے تبلیغی مذاہب اسلام اور عیسائیت کے ساتھ وابستگی رکھنے والوں کے تناسب میں گذشتہ ۸۰ برسوں میں بے حد اضافہ ہو۔ ۱۹۰۰ء میں دنیا کی کل آبادی میں مغربی عیسائیوں کی تعداد کا اندازہ ۲۶ء۹ فی صد اور ۱۹۸۰ء میں ۳۰ فی صد لگایا گیا۔ اس کے برعکس ۱۹۰۰ء میں مسلمانوں کی کل آبادی ۱۲ء۴ فی صد اور ۱۹۸۰ء میں ۱۶ء۵ یا دوسرے اندازے کے مطابق ۱۸ فی صد تک بڑھ گئی۔ ہن ٹنگٹن نے مغرب میں مسلمانوں کی مسلسل بڑھتی ہوئی آبادی سے خبردار کرتے ہوئے لکھا ہے:

عیسائیت تبدیلِ مذہب سے پھیلتی ہے، جب کہ اسلام تبدیلی مذہب اور افزایش نسل

سے پھیلتا ہے۔ مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ڈرامائی طور پر بڑھ کر بیسویں صدی کی تبدیلی کے وقت دنیا کی کل آبادی کا ۲۰ فی صد ہو گیا اور چند برسوں بعد ۲۰۲۵ء میں یہ تعداد دنیا کی کل آبادی کی تقریباً ۳۰ فی صد ہوگی'۔[۱۸]

مغربی دانش وروں نے اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم، مختلف پہلوؤں سے ظاہر کرنے کے لیے بے شمار حربے استعمال کیے۔ اسلام پر پہلے شبہات کو جنم دیا، اور پھر الزامات عائد کر کے تصادم کے لیے راہیں ہموار کی گئیں۔ وہ کہتے ہیں کہ: اسلام، جدیدیت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ مغربی فکر و تہذیب، ثقافت اور عورتوں کی آزادی کے خلاف ہے۔ پھر اسلام اور جمہوریت میں کوئی مطابقت نہیں بلکہ واضح تضاد ہے۔

● **تہذیب کی حقیقت:** 'تہذیب' عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا معنی تربیت، اصلاح، دوستی اور شائستگی کے ہیں۔ فیروز اللغات میں اس کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں: شائستگی، آراستگی، صفائی، اصلاح اور خوش اخلاقی۔[۱۹]

مشہور انگریزی لغت یونیورسل انگلش ڈکشنری میں یہ معنی دیے گئے:

Civilization: A state of social, moral, intellectual and industrial development.[۲۰]

یعنی انسان کے سماجی، اخلاقی، فکری اور اس کی ترقیاتی تعمیر کے مختلف پہلوؤں کا نام تہذیب ہے۔

'تہذیب' ایک ایسی اصطلاح ہے، جس میں کافی وسعت پائی جاتی ہے۔اس میں تصورِ زندگی، طرزِ زندگی، زبان، علم و ادب، فنونِ لطیفہ، رسوم و رواج، اخلاق و عادات، رہن سہن، کھانے پینے کا انداز، خاندانی و قومی روایات، فلسفہ و حکمت، لین دین، اور سماجی معاملات، سب شامل ہیں۔ یہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سنوارنے کا بھی نام ہے۔

اسلام نے تہذیب کو نہ صرف مزید وسعت اور جامعیت بخشی بلکہ اسے اخلاق عالیہ کے مرتبے تک پہنچایا۔ اسلام نے تہذیب کو دین و دنیا سنوارنے اور اصلاح کرنے کا ذریعہ بھی بتایا، کیوں کہ اس میں انسان کے اخلاق و کردار، معاملات و معاشرت، تعلیم و تمدن، سیاست، معیشت، قانون اور اداروں کی اصلاح، ان کو درست رکھنے کے لیے اصل رہنمائی موجود ہے۔اسلام مکمل

دین ہے۔ اس نے جہاں انسان کو کارِ جہاں چلانے کے لیے مکمل رہنمائی دی، وہیں اسے ایک مکمل تہذیب بھی عطا کی۔

اسلام: تہذیبی تصادم یا مکالمہ اور مفاہمت

کیا تہذیبوں کے درمیان تصادم ہوسکتا ؟ یا کیا تہذیبیں تصادم کی طرف جا رہی ہیں ؟ اس حوالے سے اسلام کا موقف بہت واضح ہے۔

اسلام تہذیبوں کے تصادم کا قائل نہیں۔ اسلام نے تو ماضی میں بھی دوسری تہذیبوں سے تصادم اور جنگ کے بجائے دعوت کے راستے ہی کو اوّلیت دی ہے۔ بقول پروفیسر خورشید احمد: ''تہذیبوں میں مکالمہ، تعاون، مسابقت حتیٰ کہ مثبت مقابلہ سب درست لیکن تہذیبوں میں تصادم، جنگ وجدال، خون خرابا اور ایک دوسرے کو مغلوب اور محکوم بنانے کے لیے قوت کا استعمال انسانیت کے شرف اور ترقی کا راستہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تہذیبوں کا تصادم ہمارا لائحہ عمل نہیں۔ یہ مسلمانوں پر زبردستی ٹھونسا جارہا ہے''۔[۲۱] مراد ہوف مین کے نزدیک: ''تہذیبوں کے ارتقا میں کبھی کوئی زیرو پوائنٹ نہیں ہوتا۔ دنیا میں ہر شخص نے کسی دوسرے شخص سے فیض پایا اور ہر شخص نے کسی دوسرے شخص کی کامیابیوں پر اپنی عمارت کھڑی کی ہے''۔[۲۲]

اسلامی تہذیب نے اپنا دامن بہت وسیع رکھا ہے، تنگنائیوں اور محدودیت کے دائرے کی کوئی گنجایش نہیں رکھی۔ اسی لیے اس نے ہر دور میں اور ہر جگہ ہر دل عزیز رہنما اور تاب ناک نقوش چھوڑے ہیں اور ہر تہذیب کو فائدہ پہنچایا ہے۔ مغربی دانش ور اس بات کا خود بھی اعتراف کرتے ہیں۔ برطانوی ولی عہد شہزادہ چارلس نے ستمبر ۱۹۹۲ء میں اوکسفرڈ یونی ورسٹی کے اسلامی سنٹر میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ: ''ہماری تہذیب وتمدن پر اسلام کے جو احسانات ہیں، ہم ان سے بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ وسطی ایشیا سے بحر اوقیانوس کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی اسلامی دنیا علم و دانش کا گہوارہ تھی، لیکن اسلام کو ایک دشمن مذہب اور اجنبی تہذیب قرار دینے کی وجہ سے ہمارے اندر اپنی تاریخ پر اس کے اثرات کو نظرانداز کرنے یا مٹانے کا رجحان رہا۔ مغرب میں احیائے تہذیب کی تحریک میں مسلم اسپین نے گہرے اثرات ڈالے۔ یہاں علوم کی ترقی سے یورپ نے صدیوں بعد تک فائدہ اٹھایا''۔[۲۴]

اسلام نے کبھی عیسائیت کے خلاف جارحانہ محاذ آرائی نہیں کی اور نہ عیسائیوں کو اپنا دشمن

باور کیا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر مسلمانوں نے عیسائیوں کو دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے نہ صرف اُبھارا بلکہ تاکید بھی کی۔ اس بنیاد پر نہیں کہ وہ محض اللہ کے وجود کے قائل ہیں بلکہ وہ بہت سے انبیاے کرامؑ پر ایمان رکھتے ہیں، جن میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی انبیاے کرامؑ ہیں، جن پر وہ ایمان رکھتے ہے، جن کا تذکرہ قرآن مجید اور بائبل میں ہے۔ جب دورِ نبوت میں مسلمان ابتلا و آزمایش کا شکار ہوئے تو انھوں نے حبشہ کے ایک عیسائی بادشاہ کے ہاں ہجرت کی۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ عیسائیت ہی کیا، اسلام نے کبھی بھی مذہب، تہذیب، نسل یا کسی بھی علاقے کے رہنے والوں کو اپنا دشمن تصور نہیں کیا۔ لیکن فساد پھیلانے والوں کی مذمت اور مزاحمت ضرور کی۔

مکالمے کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو راہِ حق کی طرف دعوت دینے اور ان کے خدشات کو دور کرنے کے لیے متعدد ذرائع اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ جن میں سے ایک ذریعہ مکالمہ (Dialogue) بھی ہے۔ یہ دعوت کا ایک انتہائی مؤثر، پُرکشش اور آسان ذریعہ ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مکالموں کا تذکرہ آیا ہے، مثلاً: (۱) حضرت ہودؑ کا اپنی قوم کے ساتھ مکالمہ، (۲) حضرت موسیٰؑ کا اپنی قوم سے مکالمہ، (۳) حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ آزر اور نمرود کے ساتھ مکالمہ، (۴) حضرت یوسفؑ کا زنداں کے ساتھیوں کے ساتھ مکالمہ، (۵) ملحد اور موحد شخص کے درمیان مکالمہ، وغیرہ وغیرہ۔

اسلام میں دوسرے مذاہب اور تہذیبوں سے مکالمہ کرنے پر ابھارا گیا ہے، تاکہ اللہ کی زمین پر عدل و انصاف، حقوق انسانی کا لحاظ اور فساد، جنگ و جدل قتل و غارت گری کا خاتمہ ہو، اور اقدار پر مبنی ایک پُرامن اور صحت مند سماج وجود میں آئے۔ اسلام کا مزاج عملاً دعوتی ہے۔ اس لیے مکالمہ اس کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔ حتیٰ کہ اسلام کے سخت ترین دشمن سے بھی مکالمے کے ذریعے تعلّق پیدا کرنا فرائض دعوت میں شامل ہے۔ شرک اور طاغوت سے نفرت تو کی جائے گی، لیکن مشرک اور طاغی کو مسلسل مکالمے کے ذریعے حق کی دعوت دی جاتی رہے گی، نفرت شرک سے ہے، مشرک سے نہیں۔ مکالمے میں مخاصمت، نزاع اور جرح کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ باہم محبت واُلفت اور عزت و اکرام کا خاص خیال رکھا جائے، نیز الزامات اور طعن و تشنیع سے

بالکل گریز کیا جائے۔ اس کے علاوہ خوش گوار انداز، تعلقات اور ماحول میں مکالمہ کیا جائے اور خوش اسلوبی کو اختیار کیا جائے۔

مکالمے کے تین بنیادی اصول

(۱) مشترکہ باتوں کو موضوعِ گفتگو بنانا (۲) تعارف اور (۳) دعوت وتبلیغ کے اصول

۱- قرآن کریم نے اہل کتاب کے ساتھ مشترکہ باتوں کو موضوعِ گفتگو بنانے کے لیے ہدایت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (اٰل عمرٰن ۳:۶۴) ”اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے“۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔

اسی آیت میں یہود و نصاریٰ کو ان کے ظلم و جبر اور ان کے مشرکانہ عقائد کی بنیاد پر اے کافرو یا اے مشرکو! کہہ کر خطاب نہیں کیا گیا، بلکہ انھیں ایسے لقب سے خطاب کیا گیا ہے جس میں ان کا بھرپور عزت واکرام کا لحاظ رکھا گیا۔

اسلام اور عیسائیت یا مغرب کے درمیان مکالمے کا آغاز دورِ نبوت سے ہی ہوا تھا، جب اللہ کے رسولؐ نے مشرق ومغرب کے حکمرانوں کو کھلے دل سے نیک تمناؤں اور خیرخواہی کے ساتھ اسلام کے عالم گیر پیغام پر غور اور تسلیم کرنے اور انھیں کفر وظلمات سے نکل کر نورِ اسلام کو اختیار کرنے پر دعوت دی تھی۔ قبولِ دعوت کی صورت میں انھیں دین و دنیا کی کامیابی اور سلامتی کی خوش خبری بھی سنائی گئی۔ اہل کتاب کے فرماں رواؤں کے نام اللہ کے رسولؐ نے جو دعوتی خطوط بھیجے ہیں ان میں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینے کے بعد یہ جملہ بھی ہے: يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ[۲۴] اللہ تمھیں دہرے اجر سے نوازے گا۔

مغرب سے مذاکرات اور مکالمہ کی جتنی پہلے ضرورت تھی آج موجودہ دور میں اس سے کئی درجے زیادہ ضرورت ہے۔اس سلسلے میں ۲۰۰۷ء میں عالم اسلام کے ۱۳۸/اسلامی دانش وروں نے عیسائی رہنماؤں کے نام A common word between us and you کے عنوان سے ایک کھلا خط لکھا، جس میں بہت سی مشترکہ باتوں کا تذکرہ کیا گیا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اس طرح کی پیش رفت کو آگے بڑھایا جائے۔[۲۵]

مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان باہم تعارف ہو، تاکہ ایک دوسرے کے موقف کو سمجھ کر معاملات طے کرنے میں آسانی ہو۔تعارف سے ہی نزاع، ٹکراؤ، تصادم اور جنگ کے مختلف اسباب کو اچھی طرح سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ایک دوسرے کو جاننے اور تعارف حاصل کرنے کے بے شمار فوائد ہیں، جیسے آپس میں محبت سے رہنا، ایک دوسرے کے قریب آنا، ایک دوسرے سے اخذ واستفادہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (الحجرات ۴۹:۱۳) لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

اس آیت مبارکہ میں تمام تہذیبوں کی تعمیر و بقا اور باہم تال میل اور ساتھ رہنے کے رہنما اصول موجود ہیں۔پہلے تمام انسانوں سے بلالحاظ مذہب وملت خطاب کیا گیا: ''اس لحاظ سے تمام انسان اپنے اختلافات، تنوع اور زمان ومکاں کی دوری کے باوجود ایک انسانی اصل سے باہم مربوط ہیں۔اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس حقیقت کو اچھی طرح اپنے دل و دماغ میں جاگزیں کرلیں اور اس کو ایک اخلاقی ضابطے کی حیثیت سے اپنے لیے اختیار کرلیں۔اور اسی نقطۂ نظر سے دیگر قوموں اور تہذیبوں کو بھی دیکھیں۔گویا کہ وہ روے زمین پر بسنے والے ایک ہی خاندان کے افراد ہیں''۔[۲۶]

لِتَعَارَفُوْا کے بارے میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ای لیحصل التعارف بینهم

كل يرجع الى قبيلته[۲۷] یعنی قبیلے کا ہر آدمی باہم تعارف حاصل کرے۔

دعوت و تبلیغ کے اصول

اسلام کے پیغام رحمت وعدل کو عام کرنا اور اس کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں تک پہنچانا مسلمانوں کا بنیادی اور سب سے اہم فریضہ ہے۔ اس فریضے سے غفلت اور کوتاہی برتنا ایک مسلمان کے ہرگز شایان شان نہیں ہے۔ دعوت و تبلیغ کے فریضے کو انجام دینے کے لیے چند اہم باتوں کو ذہن میں تازہ رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اس میں حکمت، خیر خواہی اور قولِ سدید خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ نیز مدعو قوم سے گفتگو انتہائی عمدہ طریقے سے کرنے کی تاکید بھی کی گئی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝ (النحل ۱۶:۱۲۵) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ تمھارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔

اس آیت میں تین بنیادی اصولوں کا تذکرہ کیا گیا کہ حق سے آشنا لوگوں تک کیسے پیغام الٰہی پہنچایا جائے، اور ان کو کس طرح سے پیغام حق کی طرف دعوت دی جائے۔ دعوت و تبلیغ کے یہ تینوں اصول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے ہیں۔ ایک تو برہانیات جن میں یقینی مقدمات کے ذریعے سے دعوے کے ثبوت پر دلیلیں لائی جاتی ہیں۔ دوسرے خطبات جن میں مؤثر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے، اور تیسرا اصول فریقین کے مسلّمہ مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے۔[۲۸] لہٰذا، دعوت و تبلیغ کے یہ تین اصول، یعنی حکمت و موعظت حسنہ اور جدال احسن جواہر پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مراجع ومصادر

۱- فوکویاما، The End of History، ۱۹۹۲ء ۲- برنارڈ لیوس، ماہ نامہ The Atlantic، ستمبر ۱۹۹۰ء

۳- لیوس کی چند کتب What Went Wrong? Western Impact and Middle Eastern Response، ۲۰۰۲ء، Crisis of Islam، ۲۰۰۳ء، مقالہ Muslims to the War on Europe،

یروشلم پوسٹ، ۲۹ جنوری ۲۰۰۷ء۔ ۴- ہن ٹنگٹن، مجلّہ فارن افیئرز، گرما، ۱۹۹۰ء۔
۵- ہن ٹنگٹن، تہذیبوں کا تصادم، ترجمہ: محمد شفیع شریعتی، سری نگر، ۲۰۱۳ء، ص ۲۵۴۔
۶- حوالہ سابق، ص ۶۱ ۷- حوالہ سابق، ص ۲۳۹ ۸- ہن ٹنگٹن، مجلّہ فارن افیئرز، گرما، ۱۹۹۰ء۔
۹- ایضاً ۱۰- ہن ٹنگٹن، تہذیبوں کا تصادم، ص ۲۹۰
۱۱- مراد ہوف مین، تہذیبوں کا تصادم، اکیسویں صدی میں، سہ ماہی مغرب اور اسلام، اسلام آباد، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۰ء۔
۱۲- عبداللہ احسن، *The Clash of Civilizations Thesis and Muslims*، مشمولہ Islamic Studies، گرما، ۲۰۰۹ء، ص ۱۹۸۔
۱۳- ڈینیل پائپس، *The Enemy Has a Name*، یروشلم پوسٹ، ۱۹ جون ۲۰۰۹ء۔
۱۴- ڈینیل پائپس، *Radical Islam Creates Terrorism*، دی ٹائمز آف انڈیا، ۲۱ مارچ ۲۰۱۶ء
۱۵- ایڈورڈ سعید: *Covering Islam*، نیویارک ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۶۔
۱۶- تفصیل دیکھیے: جان اسپوزیٹو، *The Islamic Threat, Myth or Realty*، نیویارک ۱۹۹۹ء۔
۱۷- احمد سجاد، مغرب سے نفرت کیوں؟ سہ ماہی مطالعات، جلد ۶، شمارہ ۱۷، ۱۸، ۱۹۔
۱۸- پروفیسر ہن ٹنگٹن، تہذیبوں کا تصادم، ص ۹۰۔
۱۹- فیروز اللغات، دارالکتاب، دیوبند، یوپی، ۱۹۹۹ء، ص ۳۹۵۔
۲۰- The Universal English Dictionary
۲۱- پروفیسر خورشید احمد، تہذیبوں کا تصادم۔ حقیقت یا واہمہ، ترجمان القرآن لاہور مئی ۲۰۰۶ء، ص ۲۲
۲۲- مراد ہوف مین، تہذیبوں کا تصادم اکیسویں صدی میں، سہ ماہی مغرب اور اسلام، اسلام آباد، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۰ء
۲۳- مولانا عیسیٰ منصوری، مغرب اور عالم اسلام کی فکری و تہذیبی کش مکش، ورلڈ اسلامک فورم، ۲۰۰۰ء، ص: ۸۸
۲۴- ڈاکٹر انیس احمد، تہذیبی روایات کا مکالمہ، سہ ماہی مغرب اور اسلام، اسلام آباد، جنوری تا مارچ، ۲۰۰۱ء۔
۲۵- تفصیل کے لیے دیکھیے، islamic studies, A common word between us and you 2008, p:243 to 263.
۲۶- زکی المیلاد، تہذیبوں کے باہمی تعلقات: مفاہمت ومذاکرات، (اردو ترجمہ، ڈاکٹر نگہت حسین ندوی)، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز، ۲۰۰۴ء، ص ۳۱
۲۷- عمادالدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دارالاشاعت دیوبند، ۲۰۰۲ء، ص ۲۷۵
۲۸- علامہ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، جلد: ۴، ص ۲۵۷

ہماری مختصر کتابیں

★ تزکیے کے لیے بہترین ★ تاثیر میں تیر بہ ہدف ★ کم قیمت ★ دیدہ زیب سرورق

روز مرہ زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی دوسروں تک پہنچائیں

خرم مُراد کے درسِ حدیث

رزقِ حلال ◎ شکر اور صبر ◎ امانت داری ◎ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا

عدل و انصاف کا قیام ◎ حسد اور بغض ◎ توبہ کا دروازہ کھلا ہے

منشورات کی ۵۰۰ سے زائد مطبوعات **آپ کی لائبریری** کے لیے ہیں

■ سید مودودیؒ، پروفیسر خورشید احمد، اور دیگر ۱۰۰ سے زائد اہلِ قلم کی کتب ■ خرم مرادؒ کی ۱۵۰ سے زائد کتب اور مختصر کتابیں ■ بچوں کے لیے ۴۰ سے زائد دل چسپ، سبق آموز کہانیاں

قربانی مسلمان کو مسلمان بناتی ہے — خُرّم مُراد — وقت، مال، صلاحیت اور رائے کی قربانی پر ایک موثر اور جامع تحریر — صفحات: 48 — قیمت: 20 روپے

تحریکِ اسلامی — ترجمان القرآن میں ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۱ء تک کے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے اشارات سے انتخاب کر کے جماعت اسلامی کے قیام تک کی تاریخ مرحلہ بہ مرحلہ۔ ایک تاریخ، ایک داستان — پروفیسر خورشید احمد کی نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ — صفحات: 144 — قیمت: 150 روپے

رہنمائے تربیت — ہشام الطالب — تحریک اسلامی کے ہر کارکن کے لیے مستقل لائحہ عمل اور گائیڈ بک — صفحات 676 — قیمت 560 روپے

ذیابیطس — طب و صحت کا موضوع، سہل رواں اردو میں۔ ذیابیطس پر ہر پہلو سے سیر حاصل گفتگو، آگہی اور رہنمائی۔ آپ اور آپ کے اہل خانہ اس قاتل مرض سے بچ کر، اسے قابو کر کے صحت مند زندگی گزار سکتے ہیں۔ — صفحات: 282 — قیمت: 300 روپے

پروفیسر ڈاکٹر سید اسلم MBBS, FRCP, FACC [سابق پروفیسر قومی ادارہ برائے امراض قلب، کراچی، ۱۹۷۰ء تا ۱۹۹۱ء]

منشورات

E-8، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790 ☎ 042-35252211-10

042-35252194 — SMS ur Address: 0320-543 4909 - 0332-003 4909

manshurat@gmail.com — مکمل فہرست کے لیے اپنا پتا SMS کریں